جہادِ افغانستان ۔ عالمی اور پاکستانی تناظر میں

جناب حافظ محمد ادریس صاحب

افغانستان ہمارا ہمسایہ اور برادر مُلک ہے ۔ اِن دونوں خطوں کے آپس میں معاشرتی معاشی تعلقات اُتنے ہی قدیم ہیں جتنی یہاں کی انسانی آبادی کی تاریخ ۔ سرحد کے دونوں طرف بسنے والے لوگوں میں خاندانی رشتہ داریاں، دوستیاں اور دشمنیاں، باہمی لین دین اور روابط بہت قدیم ہیں ۔ پاکستان اور افغانستان کا سب سے مضبوط رشتہ دینی اخوت ہے ۔ اسلام نے ان دونوں مُلکوں کے باشندوں کو ایک اُمّت کے افراد بنا دیا ہے بعض "دانش ور" اور سیاسی مہم جو عناصر اس اصول کو تسلیم نہیں کرتے تھے کہ دونوں قومیں اسلام کی وجہ سے مربوط ہیں ۔ ان کا نقطۂ نظر سیکولرازم کی بنیاد پر یہ تھا کہ سرحد کے دونوں جانب بسنے والے چونکہ پختون ہیں اس لیے قدرِ مشترک پشتو زبان اور پختون نسل ہے ۔ اس نظریے کے علمبردار وہی روایتی عناصر تھے جو متحدہ ہندوستان میں کانگریس کے ہم نوا رہے تھے ۔ ان کے نزدیک دو قومی نظریہ ہی غلط تھا ، اس لیے ہندوستان کی تقسیم بھی غلط قرار پائی وہ اکھنڈ بھارت کے قائل تھے ۔ سُرخ پوش لیڈر عبدالغفار خاں اور ان کے بڑے بھائی ڈاکٹر خاں صاحب صوبہ سرحد میں اس گروہ کے سرخیل تھے ۔

یہ موضوع کہ دو قومی نظریہ درست تھا یا اکھنڈ بھارت کا تصور ٹھیک تھا ۔ اب طے شدہ مسئلہ ہے ۔ علمی بنیادوں پر اس مسئلے کو مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے

قیامِ پاکستان سے قبل "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ اول و دوم" میں بالکل حل کر دیا تھا۔ یہ مضامین اب "تحریکِ آزادیٔ ہند اور مسلمان" نامی کتاب میں طبع ہو چکے ہیں۔ اکھنڈ بھارت کے حامی دلائل کی جنگ بُری طرح ہار گئے تھے۔ اب اس مسئلے پر مزید کچھ کہنے سُننے کی ضرورت نہیں، اس لیے کہ جو حق کے متلاشی ہیں اُن پر حق واضح ہو چکا ہے اور جنہیں سچائی سے چڑ ہے ان کے سامنے حقائق کا اعادہ و تکرار لاحاصل ہے۔

قومیت یا بُت پرستی ولی خاں اور اُن کے ساتھی زبانی دعویٰ تو پختونستان اور پٹھان دوستی کا کرتے تھے مگر جب سرحد کے اس پار سے ملتِ افغانستان غیر مُلکی حملے کے نتیجے میں بے گھر ہو کر پاکستان آنے پر مجبور ہوئی تو پختونوں کے یہ ہمدرد پختونوں ہی کے خلاف زہر اُگلتے رہے۔ ان عقل کے اندھوں کو یہ بھی یاد نہ رہا کہ ان کی بنیاد ہی قوم پرستی کے بُت پر قائم تھی۔ اب اس کی جگہ انہوں نے رُوسی کمیونزم کا بُت پُوجنا شروع کر دیا۔ بُت پرست بت پرستی کی نئی نئی صورتیں نکالتے رہتے ہیں۔

روسی ایجنٹ پختونستان کا شوشہ بھارت، رُوس اور دیگر اسلام دشمن قوتوں نے چھوڑا تھا۔ افغانستان میں چونکہ روس کے پٹھو حکمران تھے جو بھارت نواز بھی تھے اس لیے وہ اس علیحدگی پسندی کی تحریک کے سرپرست بنا دیے گئے جو وقتاً فوقتاً اشتعال انگیزی کے مظاہرے کرتے رہتے تھے۔ قیامِ پاکستان کے بعد سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خاں نے پاکستان کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ ان کا سرحدی گاندھی کا لقب جس پر ہمیشہ وہ مسرت و پسندیدگی کا اظہار کرتے رہتے تھے۔ ان کے تعارف کے لیے کافی تھا۔ ان کے بھائی ڈاکٹر خان بھی انہی کی فکر کے حامل تھے مگر میکیاولی کے اُصول پر عمل کرتے ہوئے انہوں نے مغربی پاکستان کی وزارتِ علیا قبول کر کے کم از کم ظاہری طور پر پاکستان کو تسلیم کر لیا تھا۔

قیامِ پاکستان پر دُنیا بھر کے حریت پسندوں اور خصوصاً مسلمان ممالک نے زبردست خوشیاں منائیں مگر کابل حکومت کا ردِ عمل مختلف تھا۔ نوزائیدہ مملکت پاکستان نے اقوامِ متحدہ کی رکنیت کے لیے درخواست دی تو رُوس کے اشارے پر حکومتِ افغانستان نے اس کی مخالفت کی۔ پاکستان کی پوری تاریخ میں کابل انتظامیہ پاکستان کے خلاف ہمیشہ

زہر اُگلتی رہی۔ سرحدی گاندھی اور ان کے پیروکاروں کی کابل اور دہلی سے خصوصی وابستگی تھی۔ بعد میں یہ وابستگی ماسکو سے ان کا ناطہ جوڑنے کا سبب بنی اور کئی مرحلوں پر خان ولی خان ماسکو کے نزدیک ہندوستانی اور افغانی کمیونسٹوں سے بھی زیادہ قابلِ اعتماد اور ثقہ قرار پائے۔

قیامِ پاکستان کے بعد افغانستان پر زیادہ عرصہ ظاہر شاہ کی شخصی حکومت رہی، جس کا تختہ اس کے اپنے قریبی رشتہ دار اور وزیر اعظم سردار داؤد نے رُوس کی اشیر باد سے اُلٹا۔ سردار داؤد نے اپنی حکومت کے آخری سال اسلامی ملکوں کا دورہ کیا، جس سے روس ناخوش ہوا۔ سردار داؤد کا تختہ ۱۹۷۶ء میں اُلٹا گیا اور یوں یکے بعد دیگرے نور محمد ترکئی، حفیظ اللہ امین، ببرک کارمل اور نجیب اللہ برسرِ اقتدار آئے۔ یہ سارا کھیل بالکل کٹھ پتلیوں کا تماشا معلوم ہوتا ہے۔

جہاد کا آغاز کمیونسٹوں نے روس سے تربیت حاصل کر کے اسلامی افغانستان کی روایات کے علی الرغم اسے کمیونزم اور لادینیت کے رنگ میں رنگنے کی کوششیں کیں تو اسلامیانِ افغانستان نے اس کی سخت مزاحمت کی۔ ان کی مزاحمت کو شروع میں نہ تو مخالفوں نے زیادہ اہمیت دی اور نہ ان مزاحمین کو خود یہ اندازہ تھا کہ چند سالوں میں تاریخِ انسانی کا معجزہ نما کارنامہ ان کے ہاتھوں انجام پانے والا ہے۔ یہ پرعزم لوگ اللہ کی راہ میں اپنا سب کچھ قربان کر دینے کے جذبہ سے مالا مال اور شوقِ شہادت سے سرشار تھے مگر نتائج کے بارے میں وہ زیادہ فکرمند نہ تھے۔ ان کے لیے یہی تصور جانفزا تھا کہ ان کی جدوجہد راہِ حق میں ہے اور ان کا اجر اللہ کے ذمے ہے جو نیکی کرنے والوں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتا۔

تاریخ کے گزرے ہوئے سالوں پر نظر ڈالیں تو یادوں کے دریچے کھل جاتے ہیں اور دلربا مناظر قلب و نظر کو منور کر دیتے ہیں۔ جہاد کا آغاز کرنے والے جامعہ کابل کے طلبہ و اساتذہ اور جامعہ اور اس کے کالجوں سے فارغ ہونے والے بعض نوجوان اور صحافی تھے۔ اُنھوں نے بے سروسامانی کے عالم میں جہاد کا پرچم بلند کیا اور دُنیا نے دیکھا

کہ یہ نہتے لوگ اِس دَور کی سب سے طاقت ور اور سب سے زیادہ درندہ صفت فوج کو شکست فاش دینے میں کامیاب ہوئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے کہ افغان مجاہدین نے پورے عالمِ اسلام کی لاج رکھ لی ہے اور اپنے اسلاف کی درخشندہ تاریخ کو زندہ کر دیا ہے۔

جہاد مرحلہ بہ مرحلہ جہادِ افغانستان مختلف مرحلوں سے گزرتا رہا ہے۔ اِس میں جتنے اُتار چڑھاؤ آئے وہ سب تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں۔ دُنیا بھر کے ممالک نے کچھ عرصہ تو اس جنگ کو تماشائی کی حیثیت سے دیکھا۔ پھر اس کی جانب سطحی سی توجہ کی اور جب یہ نظر آیا کہ جن لوگوں کو ابلاغِ عامہ نے "باغی" قرار دیا تھا وہ اپنے وطن کا دفاع کرنے میں خاصے سنجیدہ ہیں تو ان کی رپورٹیں عالمی میڈیا میں آنے لگیں۔ آہستہ آہستہ "باغی" کے بجائے یہ لوگ "مجاہدین" کہلانے لگے جو حقیقت میں ان کی اصل پہچان اور شناخت ہے۔

اقوامِ متحدہ میں یہ مسئلہ جب بھی اُٹھا اس کی حمایت میں عالمی برادری نے بھرپور انداز میں آواز اُٹھائی۔ ہر نئی رائے شماری میں مجاہدین کے حق میں ووٹوں کا اضافہ ہی ہوا۔ رُوس خائب و خاسر ہو کر رہ گیا۔ عالمی رائے عامہ نے ہر سطح اور ہر پلیٹ فارم پر رُوس کی پُر زور مذمت کی۔ امریکہ اور یورپ نے جہادِ افغانستان کی مدد اپنے مخصوص مقاصد کے لیے کی تھی، مگر مجاہدین نے جہاں کہیں سے انہیں تعاون ملا اُسے قبول کیا اور ہر مرحلے پر بَرملا اعلان بھی کرتے رہے کہ کسی امداد کے ساتھ وہ جہاد کے معاملے میں کسی قسم کی شرائط کو قبول نہیں کریں گے۔ یوں وہ ہر جانب سے امداد غیر مشروط طور پر قبول کرتے رہے۔ اس معاملے میں حضور نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث یہاں نقل کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

> حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ خیبر کی جنگ میں ایک شخص بڑی بہادری سے لڑا۔ حضور اکرمؐ نے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ وہ دوزخی ہے۔ صحابہ رضؓ کو اس پر تعجب ہوا۔ اُس شخص نے زخموں کی تاب نہ لا کر خودکشی کر لی تو صحابہؓ حضورؐ کے پاس آئے اور اس واقعہ کی اطلاع دی۔ (یہ شخص دراصل

مومن نہیں تھا مگر عصبیت کی وجہ سے لڑ رہا تھا) ۔ آپؐ نے اس موقع پہ حضرت بلالؓ سے فرمایا "بلال اٹھو اور اذان دو ۔ جنّت میں تو صرف مومن ہی جا سکتا ہے ۔ البتہ خداوند کریم اس دین کی تائید (بسا اوقات) کسی فاجر شخص سے بھی کرا دیتا ہے۔" (صحیح بخاری)

پاکستان کا رول اور پیپلز پارٹی

پاکستان نے جہادِ افغانستان میں ہر طرح سے دل کھول کر مدد کی ۔ پاکستان کی عام آبادی نے بحیثیت مجموعی مجاہدین کے ساتھ نہ صرف اظہارِ ہمدردی کیا بلکہ مالی اور اخلاقی ہر طرح کا تعاون بھی کیا ۔ مہاجرین کے قافلے جب بھی سرحد سے اس پار آئے انہوں نے اپنے آپ کو انصار کے درمیان پایا۔ ملک میں جہادِ افغانستان اور آغازِ ہجرت کے وقت پیپلز پارٹی کی حکومت تھی ۔ پیپلز پارٹی یوں تو ہر اسلامی قوت کے خلاف ہمیشہ نبرد آزما رہی ہے مگر قدرت نے اس مخالفِ دین پارٹی سے بھی اس معاملے میں کچھ کام لے لیا ۔ یہاں یہ معاملہ واضح رہے کہ پیپلز پارٹی کی اس حمایت کی وجہ خالصتاً سیاسی تھی ۔ افغانستان کے دوست اور ایجنٹ عبدالولی خاں کی نیپ سے پیپلز پارٹی کا شدید سیاسی تصادم ہو چکا تھا جس کے نتیجے میں نیپ پہ پابندی لگ گئی تھی ۔ اور اس کے اکثر لیڈر جیلوں میں بند تھے جب کہ اجمل خٹک جیسے بعض روسی گماشتے اور پختونستان کے پرچارک بھاگ کر کابل جا چکے تھے ۔ یوں افغانستان سے مہاجرین کی آمد اور افغانستان کے اندر بے چینی کو پیپلز پارٹی اپنے سیاسی مقاصد کی عینک سے دیکھتی تھی ۔ انہی دنوں ۱۹۷۳ء میں ذوالفقار علی بھٹو مرحوم نے چترال میں ایک جلسے سے خطاب کے دوران سردار داؤد کو برا بھلا کہتے ہوئے کہا تھا کہ اگر پختونستان کا سٹنٹ چھوڑ نہ دیا گیا تو افغانستان میں بھی اس کی بازگشت سنی جائے گی ۔

بھٹو حکومت کا تختہ الٹنے کے بعد جب جنرل ضیاء الحق صدر بنے تو انہوں نے جہادِ افغانستان کی کھل کر حمایت کی ۔ اس حمایت کی وجہ سے پاکستان کو روس نے بے پناہ دھمکیاں دیں ۔ روسی ایجنٹوں نے ملک بھر میں بموں کے دھماکوں اور دہشت ناک تخریب کاری کا لامتناہی سلسلہ شروع کر دیا ۔ روسی بمبار طیارے آئے دن پاکستانی فضائی حدود کی

خلاف ورزیاں کر کے پاکستانی شہریوں اور دیہاتیوں پر بم برساتے رہے۔ ان ساری ظالمانہ کارروائیوں کے نتیجے میں بے شمار معصوم شہری، بوڑھے، جوان، عورتیں اور بچے شہید ہوئے۔ روس اور اس کے ایجنٹوں کی ان کارگزاریوں کے باوجود نہ تو مجاہدین کے حوصلے پست ہوئے، نہ پاکستان کے غیور عوام نے گھٹنے ٹیکے۔ صدر ضیاء الحق کی سربراہی میں حکومتِ پاکستان کا موقف بھی جہادِ افغانستان کے حوالے سے بہت مضبوط اور قابلِ داد رہا۔ حکومتِ پاکستان نے افغان مجاہدین کی اخلاقی و مادی امداد کے علاوہ سیاسی محاذ پر بھی خاصی سرگرمی دکھائی۔ اسلامی کانفرنس، اقوامِ متحدہ اور دیگر عالمی پلیٹ فارموں پر پاکستانی نمائندوں نے افغانستان کے مسئلے کو اپنا مسئلہ سمجھ کر ہمیشہ بہترین نمائندگی کی۔ یہ طرزِ عمل پاکستانی قوم کی روایات کے علاوہ اس کی تازہ ترین امنگوں کے عین مطابق تھا۔ اس سلسلے میں یہ امر بھی ریکارڈ پر آ جانا چاہیے کہ جہاں پاکستان نے افغان مجاہدین کے حق میں مؤثر آواز اٹھا کر ان کا دل موہ لیا تھا وہاں جنیوا کانفرنس اور معاہدہ جنیوا کے حوالے سے حکومت پاکستان عالمی طاقتوں کے دباؤ کے سامنے جھک گئی تھی اور مجاہدین کے موقف کے علی الرغم اس میں شامل ہو کر ان شرائط پر معاہدہ کر لیا جو بہت خوش آئند نہ تھیں۔ اس کی تفصیلات ایک الگ مضمون کا موضوع ہیں، جس کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

جماعتِ اسلامی کا کردار

جہادِ افغانستان کے ساتھ جماعتِ اسلامی کا بہت گہرا اور قریبی تعلق ہے۔ یہ جہاد شروع کرنے والے تمام مجاہدین مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ کی فکر سے بے حد متاثر تھے۔ انھوں نے باقاعدہ جہاد شروع کرنے سے پہلے مولانا مودودیؒ کی خدمت میں ایک وفد بھی بھیجا تھا۔ مولانا نے ان لوگوں کو بہت اہم اور مفید مشورے اور ہدایات دی تھیں۔ جماعتِ اسلامی کی طرف سے مجاہدین کے ساتھ مستقل رابطے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ جماعت کے موجودہ امیر قاضی حسین احمد صاحب (جو اس دور میں پشاور جماعت اور پھر صوبہ سرحد جماعت کے امیر رہے تھے)، جماعت کی قیادت اور مجاہدین کے درمیان ہمزۂ وصل تھے۔ قاضی صاحب بارہا افغانستان کے اندر گئے اور مجاہدین کی ہائی کمان کے فیصلہ کن اجلاسوں میں شرکت کی۔

افغانستان سے ہجرت کرنے والے سب سے پہلے رہنما پروفیسر برہان الدین ربانی ہجرت کر کے پشاور آئے تو قاضی حسین احمد صاحب کو ان کی مہمان نوازی کا شرف حاصل ہوا۔ مشہور کمانڈر اور وادیٔ پنج شہر کے بہادر مجاہد احمد شاہ مسعود بھی کچھ عرصہ پشاور میں قاضی حسین صاحب کے گھر پر مہمان رہے تھے۔ گلبدین حکمت یار اور پروفیسر سیاف صاحب سے بھی قاضی صاحب کا مستقل اور مسلسل رابطہ تھا۔ جماعت نے اس جہاد کو پوری ملتِ اسلامیہ کی جنگ سمجھا اور اپنی طاقت و حیثیت کے مطابق اس میں حصہ لیا۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ بعض مراحل میں جماعت نے اللہ کے بھروسے پر اپنی طاقت سے بڑھ کر خطرات کو انگیز کیا اور اللہ نے ہماری کمزوریوں کے باوجود مجاہدین سے ہمارے تعلق کی لاج رکھتے ہوئے ہمیں کامیابی سے ہم کنار کیا۔

جماعت نے مہاجرین کے کیمپوں میں جہاں تک ہو سکا ان کی خدمت کی۔ ہسپتال اور ڈسپنسریاں قائم کیں، بیرونی ممالک میں جہاد کے حق میں فضا ہموار کرنے کے لیے وفود بھیجے، ملک کے اندر مخالفانہ پروپیگنڈے اور انڈین روسی لابی کا دندان شکن جواب دیا۔ حسبِ ضرورت مذاکرات اور نمائشوں کے ساتھ ساتھ مظاہرے، جلوس اور افغان مجاہدین سے یک جہتی کی دیگر کاوشیں جاری رکھیں۔ ابلاغِ عامہ میں اعصابی جنگ زور شور سے جاری تھی۔ آغازِ جہاد میں دشمن عناصر کا پلڑا بھاری تھا، مگر بعد میں جہاد دوست قوتیں غالب آئیں۔ ہم اپنے صحافی بھائیوں اور بہنوں اور اہلِ قلم دانشوروں اور ادیبوں کو بھی خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں کہ انھوں نے ہماری دعوت پر بہ نفسِ نفیس میدانِ جہاد کا مشاہدہ کیا اور واپس آکر بڑے ایمان افروز مضامین، اداریے اور کالم لکھے۔ یہ سارا کچھ اب ہماری ملی تاریخ کا زرین باب بن چکا ہے۔

پیپلز پارٹی کے بہروپ

ضیا دور میں پیپلز پارٹی شروع میں جہادِ افغانستان کے خلاف تند و تیز اور زہر آلود پروپیگنڈہ کرتی تھی۔ اس جنگ کو روس اور امریکہ کی جنگ قرار دیا گیا۔ نصرت بھٹو اور آفتاب شیرپاؤ تے مجاہدین کو لٹیرے اور مہاجرین کو بھگوڑے قرار دیا۔ بے نظیر نے مہاجرین کو منشیات کے سمگلر اور پاکستانی معیشت پر ناروا بوجھ گردانا۔

پیپلز پارٹی کے ہر چھوٹے بڑے لیڈر نے مجاہدین کے خلاف ہرزہ سرائی کرتے ہوئے کٹھ پتلی افغان حکومت کو افغانستان کے عوام کی حقیقی نمائندہ اور ترجمان قرار دے کر پاکستانی حکومت سے مطالبہ کیا تھا کہ افغان حکومت کو تسلیم کیا جائے اور "باغیوں" کی مدد سے ہاتھ اٹھا لیا جائے۔ اس معاملے میں پیپلز پارٹی کے ایک لیڈر نصیر اللہ بابر استثنا کی حیثیت رکھتے ہیں کہ جنہوں نے افغان جہاد کی حمایت میں چند ایک بیانات اس دور میں بھی دیئے تھے جب پارٹی کی ہائی کمان جہاد کی مخالفت کر رہی تھی۔

پیپلز پارٹی کی قیادت نے اپنے رویے پر نظرثانی اس وقت کی جب کہ بے نظیر صاحبہ امریکہ میں اصحاب اقتدار سے مل کر واپس لوٹیں۔ اب ان کا موقف پہلے سے مختلف تھا۔ جہاد کے بارے میں یہ نرم گوشہ مجاہدین سے محبت کی وجہ سے نہیں تھا، بلکہ امریکہ بہادر کی خوشنودی اس کا سبب تھی۔ یہ مضمون اختصار کا متقاضی ہے مگر اس موضوع پر کتاب لکھی جا سکتی ہے اخبارات کے فائل گواہی دیں گے کہ ایک دوسرے سے بالکل مختلف اور متضاد یہ دو طرزِ عمل پیپلز پارٹی کی اندرونی سوچ کے بجائے کسی اور بات کی غمازی کرتے ہیں۔ اب یہ پارٹی جہاد کا کریڈٹ لینے کے لیے کوشاں ہے۔ بے نظیر صاحبہ ہر معاملے میں امریکہ کی جانب دیکھتی ہیں۔ افغانستان کی عبوری حکومت کی تشکیل کے وقت پاکستان کے لیے سنہری موقع تھا کہ اُسے سب سے پہلے تسلیم کر کے سبقت حاصل کر لیتا مگر ایسا نہ ہو سکا۔ اس کی وجوہات بھی کوئی راز نہیں۔ مغربی قوتوں کی طرح پیپلز پارٹی بھی افغانستان میں اسلامی حکومت سے خائف ہے۔ یہ متربصین ہوا کا رنگ دیکھ رہے ہیں۔ ان کی دلی خواہش یہ ہے کہ ظاہر شاہ یا کوئی اور مہرہ تختِ کابل پر بٹھا دیا جائے مگر خالص اسلامی افغانستان سے نجات مل جائے۔ ان کی یہ آرزوئیں کبھی پوری نہیں ہو سکیں گی۔ تازہ ترین خبروں کے مطابق ظاہر شاہ نے افغانستان واپس آنے سے انکار کر دیا ہے۔

امریکی بھارتی اور یہودی لابی

پیپلز پارٹی نے عالمی سطح پر امریکہ کی حاشیہ برداری اختیار کی ہے اور اس میں امریکی کانگریس کے یہودی رکن سٹیفن سولارز کا خاصا عمل دخل ہے۔ علاقائی سیاست میں یہ پارٹی بھارت کی نہ صرف ہم نوا ہے بلکہ پارٹی کی لیڈر بے نظیر راجیو گاندھی سے

خاصی متاثر اور مرعوب بھی ہیں۔ یہودی لابی کے نمائندے سٹیفن سولارز کے بھارت کے ساتھ بھی خصوصی تعلقات ہیں۔ گذشتہ ماہ اس نے بنگلہ دیش کا دورہ کر کے جنرل ارشاد اور حزبِ اختلاف کی بیگمات، خالدہ ضیاء اور حسینہ واجد سے بھی خصوصی ملاقاتیں کی ہیں۔ اِن ملاقاتوں کے بعد ہی سے جماعتِ اسلامی بنگلہ دیش کے دفاتر پر حملوں میں شدت اور ان کے کارکنوں کے قتل و خون میں یک دم اضافہ ہو گیا ہے۔ بھارت بھی افغانستان میں مجاہدین کی حکومت کی برملا اور بار بار مخالفت کر چکا ہے۔ اس لیے پیپلز پارٹی افغان عبوری حکومت کو تسلیم کرنے میں پس و پیش کر رہی ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر بے نظیر نے ۱۵ فروری مجاہدین کی بہادری اور جرأت کو خراجِ تحسین کیوں پیش کیا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جہادِ افغانستان ایک کریڈٹ نوٹ ہے پیپلز پارٹی اس سے ہاتھ دھونا بھی نہیں چاہتی، مگر اس کے اسلامی تشخص کی وجہ سے کھلے دل سے اسے تسلیم بھی نہیں کرنا چاہتی۔ اِسی کو گومگو کی کیفیت کہا جاتا ہے۔

اے این پی کا مخالفِ جہاد موقف جس کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے قابلِ مذمت بھی ہے اور قابلِ فہم بھی۔ وہ غوث بخش بزنجو کی طرح روس کے کھلے کھلے ایجنٹ ہیں، جس میں اب کسی کلام کی گنجائش نہیں۔ البتہ بعض دیگر پارٹیوں کا طرزِ عمل خاصا قابلِ افسوس رہا ہے۔ اِن میں سے اصغر خاں صاحب تو کابل انتظامیہ کی دعوت پر افغانستان یاترا کے لیے گئے بھی تھے اور انہیں وہاں کسی قسم کی جنگ کے کوئی آثار نظر نہ آئے تھے۔ ہم نے اس وقت بھی ان کی خدمت میں عرض کیا تھا۔

ع گر بروز نہ بیند شپرہ چشم چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

اصحابِ دستار و قبہ جن مخالفینِ جہاد عناصر کا اُوپر ذکر ہوا ہے وہ سب لادین سیاست کے قائل ہیں اس لیے ان کا موقف قابلِ فہم ہے مگر اس ملک میں چند ایک اصحابِ جبہ و دستار بھی ایسے ہیں جنہوں نے جہاد کی مخالفت کر کے اپنا نام پیدا کیا ہے۔ "بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہو گا"۔ شاہ احمد نورانی صاحب نے اِس جنگ کو جہاد ماننے سے انکار کیا اور فتویٰ صادر فرمایا۔ "یہ دو بڑی طاقتوں کی لڑائی ہے"۔

نورانی صاحب تو اس لڑائی کو دیکھنے کے بڑے متمنی تھے اور افغانستان سے انہیں دعوت نامہ بھی مل گیا تھا جسے قبول کر کے انہوں نے اصغر خاں صاحب کے نقشِ قدم پہ وہاں جانے کا اخباری اعلان بھی داغ دیا تھا۔ مگر ان کی جماعت کے غیرت مندارکان نے مجلس عاملہ کے اجلاس میں ان کی خبر لے ڈالی، جس کے نتیجے میں ان کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ نورانی صاحب کے بارے میں تو ان کی اپنی جماعت کے لوگوں کی رائے یہ ہے کہ وہ غیر متوازن اور غیر سنجیدہ شخصیت ہیں۔ مگر تعجب تو شاہ فریدالحق پہ ہوتا ہے۔ انہوں نے بھی بعض ایسے بیانات دیئے کہ یقین نہیں آتا تھا۔ داورِ محشر کے ہاں تو ان باتوں کا حساب ہوگا ہی، یہاں دنیا کی زندگی میں بھی یہ الفاظ تاریخ میں گواہ بن کر زندہ رہیں گے۔ مستقبل کا مؤرخ ان "علما" کی حق شناسی کی "تعریف" کیے بغیر نہ رہ سکے گا۔

"کب تک پاکستان تیس لاکھ افغان مہاجرین کی مہمان نوازی غریب پاکستانیوں کا پیٹ کاٹ کر کرتا رہے گا جب کہ اسلام میں اس قسم کی مہمان نوازی کا کوئی اخلاقی اور قانونی جواز نہیں"

(شاہ فریدالحق ۔ جنگ کراچی ۔ ۳۰؍اپریل ۱۹۸۵ء)

یہ تو مشتے نمونہ از خروارے ہے ورگرنہ اخبارات کے صفحات میں تو بہت کچھ ہے۔ شاہ صاحب کی مندرجہ بالا تشریح دیکھیے اور ان کی اسلام فہمی کی داد دیجیے۔

مردِ حق بین اس جماعت (جمعیت العلمائے پاکستان) کے دیگر مقتدر رہنما جہادِ افغانستان کی بھرپور تائید کرتے رہے ہیں۔ مجاہد عظیم حضرت مولانا عبدالستار خان نیازی کا غیر متزلزل اور جرأت مندانہ موقف ہمیشہ زندہ و پائندہ رہے گا۔ انہوں نے ہر جلسے اور جلوس میں جہادِ افغانستان کی کھل کر حمایت کی اور روس اور اس کے گماشتوں کو خوب لتاڑا۔

دیگر جماعتیں دیگر جماعتوں میں سے جمعیت العلمائے اسلام (درخواستی گروپ) نے اوّل روز سے جہاد کے حق میں کلمۂ خیر کہا اور ڈٹ کر جہاد کی حمایت کی۔ ان کی درخشندہ جدوجہد بلاشبہ قابلِ فخر ہے۔ فضل الرحمٰن گروپ ایم آر ڈی میں ہونے کے باوجود پی پی اور اے این پی سے جہادِ افغانستان کے مسئلے پہ اختلاف کر کے ہمیشہ جہاد کی حمایت کرتا رہا

ہے۔ مختصراً یہ کہ اس گروپ نے بھی پاکستانی اور اسلامی جذبات کی ترجمانی کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔

نوابزادہ نصراللہ خاں فطری طور پر حزبِ اختلاف کا کردار ادا کیا کرتے ہیں اور حکومتوں کے خلاف سیاسی جدوجہد کے میدان میں ان کا اہم رول رہا ہے۔ گزشتہ گیارہ سال میں بھی انہوں نے یہ رول ادا کرنے کی کوشش جاری رکھی۔ اگرچہ ان کی ان جہود کا فائدہ ایک فاشسٹ اور آمرانہ ذہنیت کی حامل پارٹی (پی پی) نے اٹھایا۔ اس عرصے میں اپوزیشن کا کردار ادا کرنے کے باوجود افغانستان پر نوابزادہ صاحب کی فکر بالکل صاف اور ان کے فیصلے ازحد واضح رہے۔ انہوں نے مجاہدین کے خلاف اٹھنے والی ہر آواز پر لعنت کی اور جہاد کے حق میں ہمیشہ کھل کر بات کی۔

مسلم لیگ میں اگرچہ کسی شخص نے کھل کر جہاد کی مخالفت تو نہیں کی تھی مگر ایک قلیل تعداد اس جہاد سے زیادہ خوش نہ تھی۔ پیر پگاڑا کے بعض بیانات جہاد کے خلاف ہوتے تھے جب کہ بعض بیانات میں وہ نیم دلانہ حمایت بھی کر دیتے تھے۔ ان کے علاوہ مسلم لیگ کی قیادت میں بعض لوگ تو محض حمایت کی حد تک جہاد کے ہم نوا تھے اور اکثر بڑی حمیت کے ساتھ مجاہدین کے مددگار اور مداح رہے۔ اہلِ حدیث تنظیموں کی اکثریت نے بھی جہاد کی غیر مشروط حمایت کی مگر اکا دکا افراد کبھی کبھار ایسی باتیں بھی کہتے رہے جو اس مکتبِ فکر کی شایانِ شان نہ تھیں، ان کا ریکارڈ بھی اخبارات و جرائد کے صفحات میں موجود ہے۔

اسلامی ممالک اسلامی ممالک میں سے مصر، سعودی عرب، کویت، خلیجی ریاستوں ملائشیا، سوڈان اور اُردن نے سیاسی، اخلاقی، مالی اور فوجی ہر طرح کی مدد کی۔ ترکی کا رویّہ سیاسی اور حکومتی سطح پر قدرے معتدل رہا۔ مگر عوام نے جس گرمجوشی کے ساتھ جہاد کی حمایت کی اور ترک نوجوانوں نے جس جذبے کے ساتھ افغانستان میں جا کر دادِ شجاعت دی وہ ایمان افروز ہے۔ ایرانی حکومت نے بھی پاکستان کی طرح مہاجرین کا بوجھ اٹھایا اور عراق کے ساتھ اپنی جنگ کے باوجود اس معاملے میں اچھا رول ادا کیا، مگر جہاد کے

مختلف مراحل میں کافی اُتار چڑھاؤ آتے رہے۔ ایک مرحلے پر حزبِ اسلامی کو ایران میں اپنے تمام دفاتر ایرانی حکومت کے رویّے کی وجہ سے احتجاجاً بند کرنا پڑے۔ جب کہ جہاد کے آخری مرحلوں میں ایرانی حکومت نے ہزارہ قبائل کے مسئلے اور شیعہ نمائندگی کے سوال پر فرقہ وارانہ طرزِ عمل میں اتنی شدّت اختیار کر لی کہ اس سے خاصی بدمزگی پیدا ہوئی۔ ایران امریکہ سے شدید مخاصمت کی وجہ سے رُوس کو شیطانِ اکبر تصور نہیں کرتا۔ اس وجہ سے رُوس جس نفرت کا مستحق ہے اس کا اظہار ایران نے کم ہی کیا ہے۔ ایک بات کا اعتراف ضروری ہے کہ ایران کے جس اُتار چڑھاؤ کا اُوپر ذکر ہوا ہے اس میں ایران کا کریڈٹ دو مواقع پر بالکل واضح نظر آتا ہے۔ ایک تو اسلام آباد میں وزرائے خارجہ کی کانفرنس کے موقع پر سابق ایرانی وزیرِ خارجہ صادق قطب زادہ مرحوم کا افغانی مجاہدین کے نمائندوں کو اپنے سرکاری وفد میں شامل کرنا اور دوسرا جینیوا کانفرنس میں امریکہ اور رُوس کی کوشش کے باوجود اس وجہ سے ایران کا شرکت نہ کرنا کہ معاملے کا اصل فریق تو مجاہدین ہیں۔ ان کی غیر موجودگی میں معاہدے کا کیا وزن ہو گا۔

چین کا رول

جہادِ افغانستان میں ہمارے عظیم ہمسایہ ملک چین کا رول بھی تاریخی ہے۔ چین نے غیر مشروط حمایت کر کے افغان مجاہدین ہی کے نہیں دنیا بھر کے مسلمانوں کے دل جیت لیے ہیں۔ چین نے مختلف مواقع پر جہاد کی جس غیر مشروط انداز میں حمایت کی اس سے مجاہدین کو خاصی تقویت ملتی رہی ہے۔

افغان جہاد کے متعلق پاکستانی قوم کے مختلف طبقات کے طرزِ عمل اور عالمی اسلامی برادری کی کاوشوں کی ہلکی سی جھلک ان سطور میں پیش کی گئی ہے۔ مجاہدین کی عبوری حکومت بن چکی ہے جو انشاء اللہ بہت جلد جلال آباد اور پھر کابل میں قائم ہو جائے گی۔ اس موضوع پر گذشتہ سالوں میں سینکڑوں کتابیں اور ہزاروں مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ بہت کچھ مزید لکھا جائے گا۔ یہ موضوع اس وقت پوری دنیا کی توجہات کا مرکز ہے۔ آج افغان مجاہد اقبال کے الفاظ میں یوں مجسم بن کر سامنے آتا ہے۔

(باقی بر صفحہ ۹۴)